تدوینِ حدیث

(۱)

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

برہان کے "دورِ اول" میں مولانا کا ایک طویل مقالہ "تدوین حدیث" کے عنوان سے نکلا تھا۔ زیر نظر مقالہ اوس کا ہی تتمہ و تکملہ ہے۔ یہ مقالہ سابق کی طرح جامعہ عثمانیہ کے ریسرچ جنرل میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ اس پرچہ کی اشاعت صرف یونیورسٹی کے حلقہ تک محدود ہے۔ اس لیے ہم افادۂ عام کی نیت سے اس کو برہان میں بھی شائع کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جن حضرات کے پاس برہان کے سابق پرچے محفوظ ہیں اس مقالہ کے بعد ان کے پاس "تدوینِ حدیث" ایسے اہم موضوع پر ایک دلچسپ اور نہایت پر از معلومات کتاب پہونچ جاتی ہے۔ ایڈیٹر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار، ورفتار، سیرت وکردار، عادات واطوار وغیرہ امور کے متعلق صحابہ کرام نے اپنے مشاہدات ومعلومات کے جس ذخیرے کو امت تک پہونچایا ہے مشہور محدث الحاکم نے اس کی تعبیر جن الفاظ میں کی ہے ہم ذیل میں اُس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں صحابہ کی اس جماعت نے تقریباً بیس سال اور کچھ زیادہ دن مکہ میں پھر مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد گذارے (اس طویل عرصہ میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و گفتار، افعال ورفتار، آپ کی نیند، آپ کی بیداری، آپ کی حرکات آپ کے سکون، نشست وبرخاست، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدات اور کوششیں جنگی مہیں جن میں آپ نے شرکت فرمائی یا صرف صحابہ جن میں شریک تھے۔ اسی طرح آپ کی خوش طبعیاں جنہیں اصطلاحاً مزاح کہتے ہیں، لوگوں کی تنبیہ، کھانے پینے

چلنے پھرنے، خاموش رہنے، اپنے ازواج کے ساتھ آپ کے تعلقات، اور معاشرت، اپنے گھوڑے کی تربیت تیر مسلمانوں اور مشرکوں کے نام آپ کے خطوط، ان سے معاہدے، الغرض آپ کی ایک ایک جنبش نگاہ آپ کی ایک ایک سانس آپ کی خصوصی صفات ان ساری خبروں کو ان صحابیوں نے اپنے دماغوں میں محفوظ کیا، اور ان کو یاد رکھنے کی کوشش کی۔ اور یہ سلسلہ اس کے سوا ہے جو صحابہ کرام تک شریعت کے احکام و قوانین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچے، یا عبادات یا حلال و حرام کے سوالات ان ہی صحابیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے یا اپنے جھگڑوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے فیصلے دربار نبوت سے حاصل کیے (واقعہ یہ ہے) کہ ہم مسلمانوں تک ان ہی صحابیوں کے ذریعہ) پہونچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ایسی باتیں مثلاً یہ کہ عام حالات میں آپ رہوار چال کے ساتھ اونٹنی کو چلاتے، لیکن جب کوئی کشادہ وسیع میدان آجاتا تو اس وقت اس کی رفتار کو تیز کر دیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی شتر سوار کو اونٹ پر چھوڑ کر خود پیادہ پا چلتے اور یہ کہ ایک بچہ سے خوش طبعی فرماتے ہوئے کہا کہ اے عمیر! تیری چڑیا نغیرا کیا ہوئی، اور اس بڈھی سے یہ فرماتے ہوئے بطور دل لگی آپ نے فرمایا کہ جنت میں بڈھی نہ جائے گی اور حسن بن علی علیہما السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے اور یہ فرماتے ہوئے (ان کو آہستہ آہستہ سینہ تک چڑھاتے یعنی) حزق۔ ترق عین بقہ۔ (یہ بچوں کو کھلاتے ہوئے معلوم ہوتا ہے عرب کا قاعدہ تھا جو اس وقت کہتے تھے لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اے کمزور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے والے بچے چڑھ جا چڑھ جا چھوٹے بچے چڑھ جا) اور یہ کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آجاتی تو ناک سے آواز خراٹے بھرنے کی نکلتی تھی (یا اس قسم کی معمولی باتیں) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ایک دفعہ پانی نوش فرمایا (اسی طرح ایک دفعہ دیکھا یہ گیا کہ) کھڑے ہو کر پیشاب سے فارغ ہوئے ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی ران کے نچلے حصہ میں کوئی زخم ہو گیا تھا، (الغرض) یہ اور اسی قسم کی بیسیوں باتیں جن کی تفصیل

میں طوالت ہوگی حدیث کی کتابوں پر تذکرہ کیا گیا ہے۔

عہد نبوت اور عہد صحابہ میں ان گرانمایہ معلومات کی حفاظت جن اعتمادی ذرائع کے سپرد رہی، ان کا تفصیلی ذکر آپ سن چکے اب سوال صرف وقفہ کی اس مخصوص مدت کی حفاظت کا رہ جاتا ہے جو صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی عام کتابوں کے مصنفین سے پہلے اور عہد صحابہ کے بعد بیچ میں گذری ہے، کیونکہ صحاح کی ان کتابوں کے بعد ظاہر ہے کہ ان روایتوں کی حیثیت جن پر حدیث کی یہ کتابیں مشتمل ہیں متواتر روایتوں کی ہوگئی ہے، مثلاً صحیح بخاری کے متعلق یہ بات کہ محمد بن اسمٰعیل ہی کی تصنیف کی ہوئی ہے یہ ایک ایسا متواتر واقعہ ہے جس میں شک کی گنجائش قطعاً اسی طرح نہیں ہے، جیسے گلستاں بوستاں نامی کتابوں کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شیخ سعدی کی کتابیں نہیں ہیں، صحاح بلکہ حدیث کی عام متداول کتابوں کا یہی حال ہے گویا سمجھنا چاہیے کہ پچھلے ہزار سال بلکہ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت سے حدیث کی کتابوں کی روایتیں ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بلند تر ہو چکی ہیں، لے دے کر جیسا کہ میں نے عرض کیا گفتگو کی گنجائش جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے وہ وقفہ کی اسی محدود مدت میں پیدا ہو سکتی ہے جو عہد صحابہ کے بعد اور حدیث کی کتابوں کے ان مصنفین کے عہد سے پہلے درمیان میں گذری ہے۔ اور اب اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا سوال اس سلسلے میں یہی ہو سکتا ہے کہ خود اس وقفہ کی مدت کتنی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یوں تو ایک سے زائد صحابیوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ سو سال بلکہ سو سال کے بعد بھی دنیا میں موجود تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور آپ کے خلوت وجلوت کے مشاہدات وتجربات کے بیان کرنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سو سال تک پیغمبر کے بعد زندہ رہے بلکہ بعض تو ایک سو پر بھی ایک سال کا بعض دو سال کا، بعض تین سال تک کا اضافہ کرتے ہیں بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پیغمبر کے

بعد پیغمبر کی زندگی کے نمونوں کی قولاً و فعلاً کامل ایک صدی تک حضرت انس امت میں اشاعت کرتے رہے ہیں اسی طرح یہ بھی مانا گیا ہے کہ عرباس بن زیاد باہلی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سو بارہ سال تک اور محمود بن ربیع صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سو نو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہے ہیں چوتھے صحابی اس سلسلے کے حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام عامر بن واثلہ ہے، سمجھا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ آخری صحابی ہیں جن پر صحابہ کا دور ختم ہو گیا حافظ ابن حجر نے جریر بن حازم جو ایک معتبر اور ثقہ راوی ہیں ان کی یہ چشم دید شہادت نقل کی ہے۔

کنت بمکۃ سنۃ عشر و مائۃ فرأیت جنازۃ فسألت عنها فقیل ابو الطفیل

میں ۱۱۰ھ ہجری میں مکہ معظمہ میں تھا، اسی زمانہ میں میں نے ایک جنازہ دیکھا دریافت کیا کہ کن کا جنازہ ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ ابو الطفیل (صحابی) کا جنازہ ہے

صفحہ ۱۱۰ ج ۷

[illegible] معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک سو بیس سال تک حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی [illegible] زندگی [illegible]

پھر جیسے سیاسی مرکزیت کی وجہ سے کسی بادشاہ کی حکمرانی کا زمانہ اسی بادشاہ کا دور اور زمانہ سمجھا جاتا ہے کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بھی جس زمانہ تک پائے گئے ہیں اس زمانہ کو ہم عہد صحابہ نہ قرار دیں آخر مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیاسی نہ سہی دینی مرکزیت کا جو مقام صحابہ کو حاصل تھا، وہ سلاطین کی سیاسی مرکزیت سے کیا کم تھا۔ سو یہاں حال کی صورت یہ ہے کہ ان ہی معدودے چند اصحاب کی حد تک یہ مسئلہ محدود نہیں ہے بلکہ آپ کے سامنے میں ایک تختہ پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے کتنے صحابی کتنے سالوں تک مسلمانوں کو اپنے ان معلومات اور مشاہدات سے مستفید کرتے رہے ہیں جن کا براہ راست علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان بزرگوں کو میسر آیا تھا۔

تختہ ان صحابیوں کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی سو سال تک زندہ رہے ہیں

نمبر شمار	نام صحابی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنے کی مدت،	جائے قیام و وفات
۱	سائب بن یزید رض	ایک سو سال تک	مدینہ منورہ
۲	مرثد بن عبداللہ	۹۹ سال تک	"
۳	عبداللہ بن بسر المازنی	۹۸ "	حمص (شام)
۴	سہل بن سعد الساعدی	۹۸ "	مدینہ منورہ
۵	عبداللہ بن ابی اوفی	۹۷ "	کوفہ
۶	عتبہ بن عبد السلمی	۹۷ "	"
۷	مقدام بن معدی کرب	۹۷ "	شام
۸	عبد بن الحارث بن جزء	۹۷ "	مصر
۹	ابوامامۃ الباہلی	۹۶ "	شام (حمص)
۱۰	عبداللہ بن جعفر	۹۶ "	مدینہ منورہ
۱۱	عمرو بن حریث	۹۵ "	کوفہ
۱۲	ابو واقد اللیثی	۹۵ "	"
۱۳	عمرو بن سلمہ الجرمی	۹۵ "	بصرہ (شام)
۱۴	واثلہ ابن الاثقع	۹۵ "	مصر
۱۵	عتبہ بن الندر	۹۴ "	بصرہ میں رہتے تھے
۱۶	عبداللہ بن حارث	۹۴ "	بادیۃ العرب
۱۷	زید بن الخالد الجہنی	۸۸ "	حمص

۱۸	عرباض بن ساریہ	۸۵ سال تک	شام
۱۹	ابوثعلبہ الخشنی	۸۵ "	مدینہ منورہ
۲۰	ابوسعید الخدری	۸۴ "	بادیہ
۲۱	سلمۃ بن الاکوع	۸۴ "	مدینہ منورہ
۲۲	رافع بن خدیج	۸۴ "	"
۲۳	محمد بن حاطب	۸۴ "	"
۲۴	ابوجحیفہ	۸۴ "	"
۲۵	سعید بن الخالد الجہنی	۸۳ "	"
۲۶	اسماء بنت ابی بکر	۸۳ "	"
۲۷	عبداللہ بن عمر بن خطاب	۸۳ "	"
۲۸	عوف بن مالک الاشجعی	۸۳ "	"
۲۹	براء بن عازب	۸۲ "	"
۳۰	جابر بن عبداللہ انصاری	۸۰ "	"

اس فہرست میں چاہا جائے تو ابھی اور اضافہ کیا جا سکتا ہے تاہم ان (۳۰) ناموں کے ساتھ ان چار بزرگوں کو بھی ملا لیجیے جن کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ سو سال سے بھی برس دو برس زیادہ عہد نبوت کے بعد زندہ رہے اور اس کے بعد سوچیے کہ اتنی بڑی تعداد صحابیوں کی کیا استثنائی مثال کہلانے کی کسی طرح بھی مستحق ہو سکتی ہے؟ کیا اتنی بڑی تعداد کے متعلق یہ دعویٰ کہ بچے کھچے اِکے دُکے آخر میں رہ گئے تھے کسی حیثیت سے بھی درست ہو سکتا ہے؟

بہرحال تدوین حدیث کی تاریخ میں یہ واقعہ کافی اہمیت رکھتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد ایک سو سال تک کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے خالی رہا ہو بلکہ اس طویل عرصہ میں ہر اس مقام پر جسے گونہ مرکزیت حاصل تھی اس طبقہ کے کافی افراد وہاں پائے گئے ہیں، نبوت کے متعلق جن کے تجربات و مشاہدات براہ راست معلومات و ذاتی مسموعات کا نام حدیث ہی یہی نہیں بلکہ حدیث کا بڑا ذخیرہ جن صحابیوں سے منقول ہے اصطلاحاً جنہیں مکثرین کہتے ہیں یعنی ہزار یا ہزار سے اوپر جن کی روایتیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں گذشتہ "محاضرہ" میں ان کی فہرست پیش کر چکا ہوں آپ اس فہرست کا بھی جائزہ لیجیے اور جو تختہ اب میں نے پیش کیا ہے اس سے مقابلہ کیجیے آپ پائیں گے کہ مکثرین صحابہ میں سے بجز تین صحابیوں کے سب کے سب اس پیش کردہ تختے میں بھی موجود ہیں۔

باقی مکثرین میں سے تین حضرات یعنی ابوہریرہ، عائشہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم اس میں شک نہیں کہ نسبتاً ان بزرگوں کی عمریں دوسرے مکثرین کے مقابلہ میں تھوڑی ہیں لیکن یہ کمی بھی کتنی ہے؟

جب ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن عباس اٹھتر سال تک، حضرت ابو ہریرہؓ ایک سال کم ستر سال تک، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دو سال کم ستر سال تک حدیث کے نشر و اشاعت کے کام انجام دیتی رہی ہیں تو عام صحابہ کے لحاظ سے نہ سہی، مگر حدیثوں کی روایت کا جن صحابیوں سے تعلق ہے ان کے متعلق تو بہرحال یہی ماننا پڑے گا کہ پیغمبر کے بعد کامل سو سال پر ان کا عہد مشتمل ہو۔

بہرکیف اگر یہ مان بھی لیا جائے جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں کہ ان صحابیوں کے مشاہدات اور روایات کو سب سے پہلے صحاح ستہ کے مصنفین ہی نے قلم بند کیا ہے اور یہ کہ وقفہ کی اس درمیانی مدت میں ان روایتوں کا دار و مدار صرف یاد کرنے والوں کے حافظہ اور قوت یادداشت ہی پر رہا جب بھی زیادہ سے زیادہ مدت اس درمیانی وقفہ کی بمشکل سوا اور ڈیڑھ سو سال کے اندر ہی رہتی ہے کیونکہ صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد میں اور مذکورہ بالا صحابیوں کے عہد میں آپ کو اس سے زیادہ

فاصلہ نظر نہ آئے گا حاشیہ میں ان مصنفین کے سن ولادت[1] اور سن وفات کو درج کر دیتا ہوں ان سنین کو اور صحابہ کے متعلق جو تختہ میں نے پیش کیا ہے دونوں کو سامنے رکھ کر فاصلہ کی مدت کا اوسط نکالیے جس نتیجہ تک میں پہونچا ہوں انشاء اللہ آپ بھی اسی نتیجہ تک پہونچیں گے۔

"محاضرہ" کی پہلی قسط میں اگرچہ بہ تفصیل یہ دکھایا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقہ معلومات جنہیں آج حدیث کی کتابوں میں ہم پاتے ہیں ان کے متعلق یہ خیال سرے سے بے بنیاد ہے کہ صحاح کی موجودہ کتابوں سے پہلے بجائے سفینوں کے صرف سینوں ہی سے سینوں ہی تک منتقل ہوتے رہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے اسی عامیانہ خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی میں نہیں سمجھتا کہ ان معلومات کو قطعی طور پر مسترد کر دینے کے لیے اتنی وجہ کیسے کافی ہو سکتی ہے کہ سوڈیڑھ سو سال تک بجائے کاغذ کے بے جان اوراق کے زندہ انسانوں کے زندہ حافظوں نے ان کی حفاظت کی، آخر آدمی کا حافظہ آدمی کا حافظہ ہے شمع کے ان پروانوں کا حافظہ تو نہیں ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ جلنے کے بعد فوراً ان پروانوں کے حافظہ سے جلنے کا خیال نکل جاتا ہے اسی لیے جلنے کے بعد بار بار پھر اسی شمع پر گرتے ہیں شاعروں نے شمع و پروانے کے اسی تعلق کا نام عشق رکھ چھوڑا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہم اسی انسان کی بینائی، شنوائی اور دوسری قوتوں کے معلومات پر اعتماد کرتے ہیں۔ ان ہی معلومات پر آدمی کی زندگی اور زندگی کے پورے کاروبار کا دارومدار ہے۔ دیکھنے میں آنکھوں پر، سننے میں کانوں پر، سونگھنے میں ناکوں پر، چکھنے میں زبانوں پر ہم بھروسہ کرتے ہیں پھر ایک حافظہ اور یادداشت ہی کی قوت بدگمانیوں کا شکار کیوں بنی ہوئی ہے کیوں سمجھ لیا گیا ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی چیز کا حافظہ کی قوت کے سپرد ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان ساری ضمانتوں سے وہ محروم ہو گئی جن کی ضرورت اعتماد اور

[1] صحیح بخاری کے مولف امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ وفات ۲۶۱ھ ابوداؤد ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ ابن ماجہ کی ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۳ھ ترمذی کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی ہے۔ ان میں سب سے پیچھے نسائی ہیں ان کی ولادت ۲۱۵ھ اور وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی ہے ۱۲۔

بھروسہ کے لیے قدرتاً انسانی فطرت محسوس کرتی ہے۔

میں خود اپنی ذمہ داری پر تو نہیں کہہ سکتا لیکن ہندیات کے مشہور محقق ابو ریحان بیرونی کے حوالہ سے یہ بات جو نقل کی گئی ہے[۱] کہ جس زمانہ میں بیرونی ہندستان آیا تھا اس کا بیان ہے کہ اس سے کچھ دن پیشتر ایک کشمیری پنڈت نے پہلے پہل ویدوں کو کتابی قالب عطا کیا تھا ورنہ اس سے پہلے ویدوں کا سارا دار و مدار ان پنڈتوں کے حافظہ پر تھا جو نسلاً بعد نسل اس کے اشلوکوں کو زبانی یاد کرتے چلے آرہے تھے۔

اس کشمیری پنڈت سے پہلے زبانی یادداشت کی شکل میں وید کتنے زمانہ تک رہی اس سوال کے جواب میں خود وید کے ماننے والے ہندسوں کی جس طویل قطار کو پیش کرتے ہیں ہم لاہوتی ریاضیات کا انہیں ہندسی رمز قرار دیتے ہوئے ادراک کے سمجھنے سے معذوری کا اقرار کرتے ہوئے اسی کو اگر صحیح مان لیں جو آج کل کے مغربی مستشرقین کہتے ہیں یعنی ویدوں کے ظہور کے ابتدائی زمانے کو متعین کرتے ہوئے یورپ کے ارباب تحقیق کا جو یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے گیارہ بارہ سو سال آگے وید کی تاریخ نہیں بڑھتی، جب بھی البیرونی کی مذکورہ بالا شہادت کا مطلب کیا ہوا؟ ہم جانتے ہیں کہ البیرونی گیارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں یعنی ۱۰۳۰ء میں ہندستان پہونچا تھا اس لحاظ سے مستشرقین کی تحقیق کی بنیاد پر گویا یہ ماننا پڑے گا کہ کم از کم دو ہزار سال تک ہندو دھرم کی یہ بنیادی کتاب کاغذ اور سیاہی قلم و دوات کی منت کشی سے آزاد رہی ہے۔

وید اور اس کی تعلیمات کے متعلق دوسرے جہات اور پہلوؤں سے چاہے کچھ بھی کہا جائے لیکن اس کے ماننے والوں میں محض اس بنیاد پر میں تو نہیں سمجھتا کہ شک اندازی کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے کہ

[۱] مشہور فاضل عبداللہ بن یوسف علی صاحب نے ہندستانی اکاڈیمی میں جو لیکچر ہندستان کے ازمنہ وسطیٰ کی معاشرت اور اقتصادی حالت پر دیا تھا اور اس لیکچر کے سننے والوں میں ہندو، سب کے بھی مستند علما اور مورخین موجود تھے اسی میں انہوں نے البیرونی کے حوالہ سے مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے۔ دیکھو لیکچر مذکور ص ۱۷

ایسی کتاب کا کیا اعتبار جس کے مضامین اور اشلوکوں کو دو ہزار برس تک برہمنوں اور پنڈتوں نے صرف یاد کر کے محفوظ رکھا ہو اور ایک نسل سے دوسری نسل تک اس کو یوں ہی منتقل کرتے ہوئے چلے آئے ہوں اوروں کے متعلق تو میں نہیں کہتا لیکن مسلمانوں کی طرف سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس اعتراض کی جرأت وہ کیسے کرسکتے ہیں ان کے پاس قرآن کے حفظ کا رواج اب تک زندہ ہے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مکتوبہ قرآن کے الفاظ پر حالانکہ زبر، وزبر، پیش، جزم اور تشدید الغرض ہر قسم کے حرکات لگا دیے گئے ہیں لیکن باوجود اس کے یہ بالکل ممکن ہے کہ مکتوبہ اور لکھے ہوئے قرآن کا پڑھنے والا بعض الفاظ کے پڑھنے اور سمجھنے میں غلطی کر جائے لیکن قرآن کے حفاظ کا اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اپنی آسمانی کتاب کو زبانی یاد کرنے کا دستور جس مذہبی ذوق کی وجہ سے مسلمانوں میں اب تک باقی ہے دوسری قوموں میں بھی اس کا رواج نہ تھا۔ کرسٹن نے اپنی تاریخ "ایران در عہد ساسانیان" میں لکھا ہے کہ ہرمز چہارم ایرانی بادشاہ کے سامنے ایک عیسائی پیش ہوا جسے عہد قدیم وجدید کے سارے نوشتے زبانی یاد تھے۔ بادشاہ نے بائیبل کے اس حافظ کو انعام سے بھی سرفراز کیا تھا دیکھو کتاب مذکور صفحہ (۵۴۴) ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ میں اپنی کتابوں کی زبانی یاد کرنے کا یہ رواج اب بھی باقی رہا یا نہیں لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض برہمنوں کے نام کے آخر میں دوبے چوبے چتر ویدی یا ترویدی وغیرہ کے جو لاحقات پائے جاتے ہیں یہ اس کے علامات ہیں کہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد نے کسی زمانے میں ویدکو زبانی یاد کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ چاروں ویدکو جو زبانی یاد کرتے تھے وہ چترویدی یا چوبے اور تین کے یاد کرنے والے ترویدی دو کے یاد کرنے والے دوبے کہلاتے تھے گویا یہ اسی قسم کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بھی بعض لوگ اپنے نام کے اول یا آخر میں قاضی یا مفتی کا لفظ اب بھی اسی وجہ سے بڑھاتے ہیں کہ وہ خود تو قاضی یا مفتی نہیں ہوتے لیکن ان کے خاندان میں قاضی یا مفتی کسی زمانہ میں گذرے تھے

حکومت کی طرف سے حضرت ابوہریرہ کے حافظہ کا امتحان

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے تیس پاروں کے حفظ کا رواج خود حدیث کی تاریخ کی ان شہادتوں کی زندہ توثیق ہے جو ہماری کتابوں میں حدیث کے راویوں کی قوت یادداشت اور حافظہ کے متعلق پائی جاتی ہیں آخر آپ ہی بتلائیے کہ تیس تیس پاروں کے بے شمار زندہ حفاظ کو دیکھ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حافظے کے اس امتحانی نتیجہ کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے جسے امام بخاری نے کتاب الکنی میں نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مروان بن الحکم جو دمشق کی حکومت کا سب سے پہلا حکمران ہے اسی کے سکرٹری ابوالزعزعہ کا بیان ہے کہ ایک دن مروان نے حضرت ابوہریرہ کو طلب کیا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کثرت سے جو حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اسی سلسلے میں مروان کچھ تشکیک وشبہات میں مبتلا تھا بہرحال بلانے پر حضرت ابوہریرہ تشریف لائے مروان نے ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے سکرٹری ابوالزعزعہ کو ہدایت کردی تھی کہ پردہ کے پیچھے دوات قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ جائے میں ابوہریرہ سے حدیثیں پوچھوں گا جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو تم لکھتے چلے جانا یہی کیا گیا۔ مروان چھیڑ چھیڑ کر حضرت ابوہریرہ سے حدیثیں پوچھنے لگا۔ ابوہریرہ بیان کرتے جاتے تھے اور پس پردہ ابوالزعزعہ لکھتا چلا جاتا تھا ان حدیثوں کی تعداد کیا تھی خود ابوالزعزعہ کا بیان ہے

فجعل یسأل وانا اکتب حدیثا کثیرًا — پس مروان ابوہریرہ سے پوچھنے لگا اور میں نے بہت سی حدیثیں لکھ لیں۔

بہرحال "حدیثا کثیرًا" (بہت سی حدیثوں) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کی کافی معقول تعداد تھی جو اس وقت قلم بند ہوئیں حضرت ابوہریرہ بیچارے کو قطعاً مروان کی اس پوشیدہ کارروائی کی خبر نہ تھی مجلس برخاست ہوگئی حضرت چلے گئے اور مروان نے حدیثوں کے اس مجموعہ کو بحفاظت تمام رکھوادیا۔ پورے سال بھر کے بعد ابوالزعزعہ کہتے ہیں کہ مروان نے ابوہریرہ کو دوبارہ طلب کیا اور مجھے حکم دیا کہ مکتوبہ حدیثوں کے اس مجموعہ کو لے کر پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں ان سے ان ہی حدیثوں کو پھر پوچھوں گا

دیکھو اب کی دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں تم ان مکتوبہ حدیثوں سے ان کو ملاتے جانا حکومت کی طرف سے ابوہریرہ کا گویا یہ امتحان تھا۔

امتحان لیا گیا نتیجہ کیا نکلا؟ ابوالزعزعہ ہی کی زبانی سنیے میں ابوالزعزعہ کے بیان کے پورے الفاظ ہی کو نقل کر دیتا ہوں جو یہ ہیں۔

فترکہ سنۃ ثم ارسل الیہ اجلسنی	پس مروان نے نوشتہ حدیثوں کے اس مجموعہ کو سال بھر تک رکھ چھوڑا
وراء الستر فجعل یسألہ وانا انظر	سال کے بعد مجھے پھر پس پردہ بٹھا کر حضرت ابوہریرہ سے پوچھنے لگا
فی الکتاب، فما زاد ولا نقص	اور میں کتاب میں دیکھتا جاتا تھا، پس ابوہریرہ نے نہ کسی لفظ کا
(کتاب الکنیٰ بخاری ص۳۳)	اضافہ کیا اور نہ کم کیا

اور حضرت ابوہریرہ کی ان حدیثوں کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا کہ واقعی ان کی صحیح تعداد کیا تھی بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند قلیل روایتیں نہیں تھیں کثیر روایتوں کا یہ مجموعہ تھا لیکن قریب قریب اسی کے ابن شہاب زہری کے جس امتحانی واقعہ کا تذکرہ اسماء الرجال کی کتابوں میں کیا گیا ہے یعنی مروانی حکومت کے دوسرے فرماں روا ہشام بن عبدالملک نے زہری کا جو امتحان لیا تھا اس میں تو تصریح کی گئی ہے کہ چارسو حدیثوں کا یہ مکتوبہ مجموعہ تھا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جیسے مروان نے حضرت ابوہریرہ کی روایتوں اور ان کی قوت یادداشت کو جانچنا چاہا تھا اسی طرح اپنے عہد حکومت میں ہشام نے بھی ابن شہاب زہری کا امتحان کرنا چاہا اس نے امتحان لینے کی یہ ترکیب اختیار کی کہ ایک دن دربار میں زہری کسی ضرورت سے آئے ہوئے تھے اس نے خواہش ظاہر کی کہ شاہزادہ یعنی اس کے لڑکے کے لیے کچھ حدیثیں لکھوا دیجئے زہری راضی ہو گئے کاتب بلایا گیا اور زہری نے جیسا کہ الذہبی نے لکھا ہے

فاملی علیہ اربع مائۃ حدیث (تذکرہ ص۱۰۳ ج ۱)	زہری نے چارسو حدیثیں شاہزادے کے لیے لکھوا دیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مہینے کے بعد ہشام کے دربار میں پھر جب زہری پہونچے تو بڑے افسوس کے لہجہ میں

ہشام نے کہا ان ذلک الکتاب ضاع (یعنی وہ کتاب جسے آپ نے لکھوا کر شاہزادے کو دی تھی وہ گم ہو گئی) زہری نے کہا کہ تو یہ پریشانی کی کیا بات ہے کاتب کو بلوائیے پھر لکھوا دیتا ہوں یہی ہشام کی غرض تھی کاتب بلایا گیا وہیں بیٹھے بیٹھے زہری نے پھر ان ہی چار سو حدیثوں کو لکھوا دیا پہلا مسودہ درحقیقت غائب نہیں ہوا تھا یہ ہشام کی ایک ترکیب تھی جب زہری دربار سے اٹھکر باہر گئے تو

فقابل بالکتاب الاول فما غادر حرفا واحدا — ہشام نے پہلی کتاب کا دوسری دفعہ لکھائے ہوئے نوشتے سے مقابلہ کیا، معلوم ہوا کہ ایک حرف بھی زہری نے نہ چھوڑا تھا۔ (ص ۳۰۱)

بلاشبہ زہری کے حافظے کا یہ کمال تھا اور جیسا کہ میں نے کہا حفاظ قرآن کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو اس امتحانی نتیجہ کے ان الفاظ فما غادر حرفا واحدا (یعنی جو کچھ پہلی کتاب میں زہری نے لکھوایا تھا اس کے ایک حرف کو بھی دوسری کتاب میں نہیں چھوڑا تھا) پر ممکن ہے لوگ تعجب کرتے مگر آج جس کا جی چاہے چار سو حدیثوں کے مجموعے سے بڑا مجموعہ یعنی پورے قرآن کو آپ کسی حافظ سے سن کر لکھتے جائیے اور اسی عمل کو دوبارہ کیجیے یعنی پھر سن کر لکھیے، اس کے بعد قرآن کے ان دونوں نسخوں کا پھر مقابلہ کیجیے یقیناً آپ بھی فما غادر حرفا (نہ چھوڑا اس نے ایک لفظ بھی) کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے [لہ]

[لہ] ان لوگوں کیلیے جو کہتے ہیں کہ صحاح کے مصنفین سے پہلے حدیثیں قلم بند نہیں ہوئی ہیں جن شواہد اور دلائل سے ان کے اس بے بنیاد دعوے کی تردید کی گئی ہے ان کا ذکر تو گذر ہی چکا لیکن ضمناً ان ہی دو واقعوں پر غور کیجیے حضرت ابوہریرہ کے حدیثوں کے تین نسخوں کا پہلے ذکر کر چکا ہوں جو ان کی زندگی ہی میں تیار ہو چکے تھے مروان والے واقعہ میں مانا کہ ان کی کل حدیثوں کے لکھنے کا ثبوت نہیں ملتا لیکن (حدیث کثیر) مروان کے سکرٹری ابوالزعیزعہ کو اس وقت بھی خود انہوں نے لکھوایا گویا صحابی کی لکھائی ہوئی حدیث کی ایک کتاب یہ بھی تھی جو مروان کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ تھی اسی طرح گو زہری صحابی نہیں ہیں لیکن صحابیوں سے براہ راست استفادہ کرنے والوں میں تو ہیں۔ ابن عمر، انس بن مالک، سہل بن سعد وغیرہ صحابیوں کے شاگرد ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک نہیں بلکہ زہری کے چار سو حدیثوں کے یہ دو نسخے ہشام بن عبدالملک کے کتب خانہ میں تھے اور دونوں خود زہری کے لکھوائے ہوئے تھے اور اس قسم کے واقعات کیا ایک دو ہیں لوگ پڑھتے نہیں یا غور نہیں کرتے ورنہ پہلی صدی ہجری میں اس قسم کی چھوٹی بڑی حدیث کی خدا جانے کتنی کتابوں کا پتہ چل سکتا ہے جن کا ذکر دوسرے واقعات کے ضمن میں اتفاقاً کر دیا گیا ہے۔

قرآن کے ایسے حافظ آج بھی بآسانی آپ کو مل سکتے ہیں جو ٹھیک ابن راہویہ کی طرح آپ کو پارہ سورہ رکوع کے حوالہ سے ہر اس آیت کا پتہ دے سکتے ہیں جو ان سے پوچھی جائے اور سچ تو یہ ہے کہ خود حفظ حدیث کے متعلق بھی ابن راہویہ کی مثال واحد مثال نہیں ہے۔ حافظ ابوزرعۃ الرازی جو حدیث و رجال کے مشہور ائمہ میں ہیں ابن ابی حاتم نے ان کا یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ابن وارہ جن کا اصلی نام محمد بن مسلم ہے اور فضل بن العباس جو فضلک الصائغ کے نام سے مشہور تھے۔ دونوں حافظ ابوزرعہ کے پاس حاضر ہوئے دونوں میں کسی مسئلہ پر بحث ہونے لگی ابن وارہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی فضلک نے کہا کہ حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں ابن وارہ نے پوچھا کہ پھر صحیح الفاظ اس حدیث کے کیا ہیں۔ فضلک کے نزدیک حدیث کے جو الفاظ تھے اس نے دہرا دیا دونوں کی گفتگو ابوزرعہ خاموشی کے ساتھ سن رہے تھے، آخر ابن وارہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے کہ آپ فرمائیے واقعی حدیث کے صحیح الفاظ کیا ہیں۔ انہوں نے پھر بھی اعراض سے کام لینا چاہا لیکن جب اصرار ابن وارہ کا حد سے زیادہ بڑھ گیا تب ابوزرعہ نے کہا کہ ذرا میرے بھتیجے ابو القاسم کو بلائیے ابو القاسم بلائے گئے، حافظ ابوزرعہ نے ان سے کہا کہ

ادخل بیت الکتب فدع القمطر الاول الثانی والثالث وعد ستۃ عشر جزءا وائتنی بالجزء السابع عشر۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۳ ج ۷)

کتب خانہ جاؤ، پھر پہلے دوسرے تیسرے بستے کو چھوڑ کر، اس کے بعد جو بستہ ہو اس سے کتاب نکالو گن کر سولہ جز کے بعد سترہواں حصہ جو کتاب کا ہے میرے پاس لاؤ۔

ابو القاسم گئے اور حسب ہدایت مطلوبہ جز کو نکال لائے۔ لکھا ہے کہ حافظ ابوزرعہ نے اوراق الٹے اور حدیث جس صفحہ پر تھی اس کو نکال کر ابن وارہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن وارہ نے پڑھا اور اقرار کیا کہ ۔ واقعی میں ہی بر سر غلطی تھا) اس واقعہ کے ساتھ حافظ ابوزرعہ کے اس دعوے کو پیش نظر رکھئے جسے ابن حجر ہی نے ابوجعفر التستری کے حوالہ سے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ وہ ان سے کہتے تھے۔

ان لی بیتی ما کتبت منذ خمسین سنة ولم اطالعه منذ کتبته وانی لاعلم فی ای کتاب هو فی ای ورقة هو فی ای صفحه هو فی ای سطر هو۔ صفحہ ۲۳ تہذیب ج ۷

پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھی تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی ہیں. لکھنے کے بعد اس پورے پچاس سال کے اندر ان حدیثوں کا میں نے پھر دوبارہ مطالعہ نہیں کیا ہے لیکن جانتا ہوں کہ حدیث کس کتاب میں ہے اس کتاب کے کس ورق میں ہے کس صفحہ میں ہے کس سطر میں ہے۔

یہ بات کہ پچاس سال کے عرصہ میں دوبارہ یاد کی ہوئی اور لکھی ہوئی حدیثوں کے دہرانے اور دیکھنے کا موقعہ حافظ ابوزرعہ کو نہ ملا اس پر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ ان حدیثوں کا یاد رہ جانا یقیناً قوت یادداشت اور حافظہ کی پختگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے اور مثال کے بغیر واقعات کے ماننے میں ہچکچانے والی عقل شاید آسانی کے ساتھ حافظ ابوزرعہ کے اس دعوے کو مشکل ہی سے تسلیم کر سکتی تھی اگر قرآن کے حفاظ میں ایسے افراد نہ پائے جاتے جنہوں نے یاد کرنے کے بعد پھر کبھی قرآن کو کھول کر نہیں دیکھا لیکن جس آیت کو جس وقت جی چاہے آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں. اور اسی تفصیل کے ساتھ یعنی کس پارے کس سورہ کس رکوع کی یہ آیت ہے آپ کو وہ جواب دے سکتے ہیں. بلکہ ان میں بعض تو ایسے حفاظ بھی دیکھے گئے کہ برسوں کے بعد تراویح سنانے کا موقعہ ان کو ملا ہے لیکن دن کو دور کیے بغیر انہوں نے پورا قرآن تراویح میں سنا دیا، اگرچہ عام طور پر اس قسم کے حفظ کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ورنہ عام قاعدہ حافظوں کا یہی ہے کہ کم از کم ایک دفعہ دن کو دور کر لیتے ہیں یعنی جو کچھ رات کو سنانے والے ہیں اس کو ایک دفعہ دہرا لینا عام حالات میں ضروری ہے. پورے قابو یافتہ ہو کر قرآن سنانے کا عام قاعدہ یہی ہے۔

بہرحال کم ہی سہی لیکن قرآن کے حفاظ میں اس قسم کے افراد جب پائے جاتے ہیں تو جس زمانے میں حدیثوں کے زبانی یاد کرنے کا عام دستور مسلمانوں میں مروج تھا اگر حدیث کے حافظوں میں ایسی مثالیں

پائی جاتی تھیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ کسی چیز کو یاد کر لینے کے بعد اس قسم کے تجربات میں اتنی ندرت نہیں باقی رہتی ہے کہ خواہ مخواہ ان کے متعلق شبہ کیا جائے اور شک و شبہ کی بیماری کسی میں ہو تو خدا کا شکر ہے کہ قرآن کے حفظ کی زندہ مثالوں سے ان کے شکوک کا بآسانی ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

حدیثوں کو زبانی یاد کرنے کا دستور واقعہ یہ ہے کہ ٹھیک جیسے اس وقت تک قرآن کو زبانی یاد کرنے کا رواج مسلمانوں میں باقی ہے زمانے تک قرآن کے ساتھ حدیثوں کو بھی زبانی یاد کرنے کا دستور جاری رہا ہے اور پیغمبر کی حدیثوں کے حفظ کا یہ ذوق خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پیدا کرایا ہوا تھا صحاح کی مشہور حدیث کہ خدا تر و تازہ رکھے اس شخص کو جو لوگوں سے ہماری حدیثوں کو سنتا ہے" اس کے بعد ارشاد ہے "فحفظہا" (پھر ان حدیثوں کو یاد کر لیتا ہے) یا جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں کو جو حاضر نہیں ہیں میری حدیث اور میری باتیں پہونچاتے چلے جائیں اس میں بھی ہے کہ

فانہ لعلہ ان یبلغ من ھو	کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہونچانے والا ایسے آدمی کو
اوعی لہ ومن ھو احفظ لہ	پہونچا دے جو اس سے زیادہ اس کا یاد رکھنے والا ہو
	یا زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔

صحابہ کرام بھی اپنے شاگردوں کو اور ان لوگوں کو جو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنا کرتے تھے یہ کہا کرتے تھے۔

ان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم	تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے حدیثیں
کان یحدثنا فنحفظ فاحفظوا	بیان کیا کرتے تھے اور ہم ان کو زبانی یاد کر لیتے تھے
کما کنا نحفظ۔	پس تم لوگ بھی اسی طرح حدیثوں کو زبانی یاد کیا
ص ۶۴۔ جامع بیان العلم	کرو جیسے ہم یاد کیا کرتے تھے۔

باقی آئندہ